استحسان بالاثر کی اجتہادی حیثیت

کا اطلاقی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

استحسان، حسن سے استفعال کے وزن پر ہے، اس کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اچھا خیال کرنا اور گردانا، یہ استقباح (کسی چیز کو برا تصور کرنا) کی ضد ہے، جیسے کوئی شخص کہے "استحسنته" یعنی میں اس کو اچھا خیال کرتا ہوں۔ اسی طرح یہ جملہ استعمال ہوتا ہے "استحسن الرای او القول او الطعام او الشراب" یعنی رائے کو یا قول کو یا کھانے پینے کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اسی نوعیت کا یہ مقولہ ہے "ھذا استحسنہ المسلمون" یعنی اس بات کو مسلمان اچھا گردانتے ہیں۔(۱)

یا استحسان کا مفہوم یہ ہے "طلب الاحسن للاتباع الذی ھو مامور بہ" (۲) یعنی بہترین بات کی جستجو اس اتباع کے نقطۂ نظر سے جس کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ط اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولو الالباب" (۳)

(آپ ان میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے عمدہ پہلو کی پیروی کرتے ہیں اور یہی لوگ جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ اہل دانش ہیں)

یہاں یہ واضح رہے کہ استحسان کے لفظ کے استعمال سے متعلق کوئی نزاع نہیں ہے۔(۴) کیونکہ یہ لفظ قرآن وحدیث اور اہل لغت کے ہاں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قرآنِ حکیم میں وارد ہے:

"واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم" (۵)

(اس وحی کے بہترین پہلو کی جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی پیروی کرو)۔

حدیث موقوف میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

☆ فرض وہ فعل ہے جسے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو اور جسے جان بوجھ کر ترک کرنا سخت گناہ ہے ☆

"ما راہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن" (۶)

(جس کو مسلمان اچھا جانیں تو وہ اللہ کے ہاں اچھی ہے)۔

اسی طرح عربی لغت و اسلامی فقہ کے ماہر امام شافعی نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے، مثلاً ان کا قول ہے:

"استحسن فی المتعۃ ان تکون ثلاثین درھما و استحسن ثبوت الشفعۃ للشفیع الی ثلاثہ ایام، واستحسن ترک شیء للمکاتب من نجوم الکتابۃ" (۷)

"و استحسن ان یضع اصبعیہ فی صفاحی اذنیہ اذا اذن" (۸)

(میں متعہ (طلاق یافتہ عورت کو دیئے جانے والے کپڑے) کی بابت یہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ وہ تیس درہم کا ہو، میں شفعہ کرنے والے کے لئے تین دن تک شفعہ کے ثبوت کے حق کو بہتر سمجھتا ہوں اور اس بات کو اچھا جانتا ہوں کہ مکاتب (جس غلام کو اس کا آقا مقررہ مدت میں مقررہ رقم پر آزاد کرنے کا وعدہ کرتا ہے) کے لئے کتابت (معاوضہ) میں سے کچھ قسطیں چھوڑ دی جائیں اور اچھا سمجھتا ہوں کہ جب کوئی اذان دے تو وہ اپنی انگلیاں، اپنے کانوں کے اندر ڈال لے)۔

اموی دور کے مشہور و معتبر قاضی ایاس بن معاویہ نے بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے کہا:

"قیسوا القضاء ما صلح الناس، فاذا فسدوا فاستحسنوا" (۹)

(جب تک لوگوں کے فائدے میں ہو، قضا میں قیاس کرو، اور جب لوگوں میں فساد آ جائے تو استحسان کرو)۔

اصطلاحی مفہوم میں امام ابوحنیفہ اور ان کے مدرسہ فکر کے فقہاء نے طریقہ استحسان اور اس کی بنیاد پر استنباط مسائل کا سب سے زیادہ کام کیا اور قیاس ظاہر میں غلو کی وجہ سے مصلحت عامہ میں جب کوئی مشکل پیش آئی ہے، تو استحسان کے ذریعہ استنباط کر کے ان فقہاء نے انتہائی انصاف اور اعتدال پر مبنی مہارت فن کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ہاشم کمالی نے (Aghnides) کا اس حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے: (۱۰)

The fact is that he (Abu Hanifah) used the

word istihsan in its usual meaning namely that of abondoning qias for an opinion thought to be more subseauient to the social interest.

(حقیقت یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے استحسان کا لفظ عام معنوں میں یعنی ترک کردہ قیاس کے مقابلہ میں جتماعی مفاد کے لئے زیادہ مفید سوچی گئی رائے کے لئے استعمال کیا ہے)۔

اسی بنا پر امام محمد بن حسن شیبانی نے استحسانی مسائل سے واقفیت کو دیگر معتبر دلائل کی طرح شرائط اجتہاد میں سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے:

"من كان عالما بالكتاب والسنة وبقول اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبما استحسن فقهاء المسلمين وسعه ان يجتهد رايه فيما ابتلى به ويمضيه فى صلاته وصيامه وحجه وجميع ما امر به ونهى عنه" (۱۱)

(جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال صحابہ رسول اور مسلم فقہاء کے استحسانی مسائل کا علم رکھنے والا ہو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی رائے سے ان معاملات میں اجتہاد کرے جو اسے درپیش ہوں اور نماز، روزہ، حج اور تمام مامورات وممنوعات میں اس پر عمل کرے)۔

معروف حنفی فقیہ شمس الائمہ سرخسی نے استحسان کی وضاحت دو طرح سے کی ہے۔ (۱۲)

استحسان کی پہلی صورت ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

العمل بالاجتهاد و غالب الراى فى تقدير ما جعله الشرع موكلولا الى ارائنا"

(ان معاملات میں جن میں شریعت نے اندازہ ہماری آراء کے حوالہ کر دیا، ان میں اجتہاد اور غالب رائے پر عمل کرنا)۔

جیسے قرآنِ حکیم نے ان طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں جن کو رخصتی سے قبل طلاق ہو جائے اور ان کا مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو، یہ حکم دیا ہے کہ ان کو معروف طریقہ سے "متعہ" یعنی کپڑوں کا

جوڑا دے دیا جائے۔ اس معاملہ میں کپڑوں کی نوعیت اور مالیت کا تعین ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب اس سلسلے میں صحیح اندازہ تک پہنچنے کے لئے جو کوشش (اجتہاد) کی جائے گی، اس پر عمل درآمد استحسان کہلائے گا۔

جبکہ استحسان کی دوسری صورت کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

"هو الدليل الذى يكون معارضا للقياس الظاهر الذى تسبق اليه الا وهام قبل امعان التامل فيه، وبعد امعان التامل فى حكم الحادثة واشباهها من الاصول يظهران الدليل الذى عارضه فوقه فى القوة، فان العمل به هو الواجب"

(یعنی استحسان وہ دلیل ہے جو ایسے قیاس ظاہر کے خلاف ہو جس کی جانب گہرے غور وفکر سے قبل خیالات جاتے ہیں۔ لیکن درپیش مسئلے اور اس سے ملتے جلتے اصول میں گہرے غور وفکر سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ دلیل جو اس کے خلاف ہے وہ قوت میں اس (قیاس ظاہر) سے بڑھ کر ہے، تو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس سے اس جانب رہنمائی ہوتی ہے کہ استحسان محض رائے زنی یا خواہشات کے مطابق شرع سازی نہیں ہے نہ ہی محض ذوق اور موافق طبع چیز کا نام ہے۔ وہ تو ضابطہ کی بنیاد یا قیاس کی علت کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی درپیش مسئلے میں عمومی ضابطہ اور قیاس کو ان شرعی دلائل کی بناء پر ترک کرنا ہے، جن میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

استحسان کی سند اور دلیل درحقیقت ان مصالح کی رعایت ہے جن کی شرعی نصوص تائید کرتی ہیں خواہ یہ تائید کسی مخصوص نص کے ذریعہ ہو یا کسی متعین نص کی علت کی بنا پر ہو یا ایک مفہوم کی کئی نصوص کی علت کی وجہ سے ہو۔

استحسان کا مرجع عام ضابطہ یا خالص قیاس کے مقابلے میں جزوی مصلحت پر عمل ہے اور اس مصلحت کی معرفت کبھی نص سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی اس تک فقیہ ایسے مؤثر اور مخفی علت کے ذریعہ پہنچتا ہے جو شریعت کے تصرفات کے موافق ہوتی ہے اور کبھی قواعد سے اس استثناء میں ضروری اور حاجی مصالح کے اعتبار کا ضابطہ اس جانب رہنمائی کرتا ہے۔ (۱۳)

درحقیقت استحسان شرعی نصوص، اجماع، قیاس کے علاوہ مقاصد شریعت پر مبنی ہوتا ہے یوں وہ شریعت کے عمومی اصول وقواعد کے ماتحت ہے۔ مثلاً عام اسلامی ضوابط یہ ہیں:

(۱) لا ضرر ولا ضرار (۱۴)

(نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچاؤ)۔

(۲) الضرورات تبیح المحظورات (۱۵)

(ضرورت اور مجبوری ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے)۔

(۳) المشقة تجلب التیسیر (۱۶)

(مشقت آسانی مہیا کرتی ہے)۔

اس لئے مشہور حنفی فقیہ ابوبکر رازی جصاص کا یہ کہنا درست ہے کہ جن معاملات کے بارے میں ہمارے علماء استحسان کے قائل ہوتے ہیں، وہ تمام دلائل اور اصول پر مبنی ہیں، ان میں سے کسی چیز میں ان کی خواہش اور ذاتی رجحان نہیں پایا جاتا۔ (۱۷)

سند کے لحاظ سے استحسان کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً استحسان بالاثر، استحسان بالاجماع، استحسان بالقیاس، استحسان بالضرورۃ، استحسان بالمصلحہ اور استحسان بالعرف، ان میں سے اول الذکر کے علاوہ تمام اقسام کو استحسان کے حقیقی دائرہ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

استحسان بالاثر کی تعریف یہ ہے:

"هو العدول عن حكم القياس فی مسئلة الی حكم مخالف له ثبت بالكتاب او بالسنة او بقول الصحابی" (۱۸)

(کسی مسئلے میں قیاس کے حکم سے اس کے برعکس حکم کی طرف عدول کرنا جو قرآن یا سنت یا قول صحابی سے ثابت ہو)۔

مگر استحسان بالاثر پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس پر استحسان کا اطلاق درست نہیں کیونکہ یہاں حکم اثر یا نص سے ثابت شدہ ہے۔

چنانچہ عصر حاضر کے اسکالر استاذ مصطفیٰ زرقا کہتے ہیں۔ (۱۹)

"الاستحسان المقصود انما هو عدول من الفقيه المستنبط عن حكم القياس حيث يجوز القياس لفقدان النص التشريعی، وان

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ☆

القرآن ثم السنة ثم الاجماع مصادر ثلاثة اساسيه مقدمه فی الرتبة علی القياس فلا مجال لقياس ولا استحسان الا فيما لم يرد من الاحكام فی احد تلک المصادر الثلاثة"

وہ مزید کہتے ہیں:

"ان ماورد به النص منحر فاعن قياس امثاله لمصلحة لحظها الشارع الامر انما هو فی الحقيقة استحسان الشارع وليس الكلام فيه، وانما الكلام فی استحسان الفقيه المستنبط الذی يطبق نصوص الشارع، ويقيس عليها ويستحسن علی وفقها من غرض الشارع و مقاصد شريعة"

گویا ان کے نزدیک ایک فقیہ جو استنباط کی صلاحیت کا حامل ہے اور جو شارع کی غرض اور شریعت کے مقاصد سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے نصوص کو ہم آہنگ کرتا ہے، ان پر قیاس کرتا ہے اور ان کے مطابق استحسان کرتا ہے، جب شرعی نص نہ ہونے کی بنا پر ایسے مقام پر جہاں قیاس کی اجازت ہے، قیاس کے حکم سے عدول کرتا ہے تو وہ استحسان کہلاتا ہے اس لئے قرآن سنت اور اجماع جیسے بنیادی مآخذ میں وارد شدہ احکام میں قیاس اور استحسان کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اگر شارع نے کسی مصلحت کے پیش نظر کسی نص میں قیاس سے انحراف کیا ہے تو وہ استحسان شارع ہے جو کہ موضوع بحث نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ استحسان شارع بھی درحقیقت استحسان کی اس حوالہ سے قسم ہے کہ وہاں مجتہد کی نظر میں شارع نے اپنی اجتہادی حیثیت سے مسائل کا حکم بتایا ہے اور معقولیت معنی کو پیش نظر رکھا ہے اور معقول المعنی نصوص ہی قیاس کی بنیاد بنتی ہیں۔ تاہم غیر معقول المعنی نصوص نہ تو قیاس کے دائرہ میں آتی ہیں اور نہ ہی وہاں استحسان کا اطلاق حقیقی معنوں میں ہوگا، اس لئے استحسان کی بحث میں شارع کا وہی استحسان اصولاً زیر بحث ہوگا جو معقول المعنی ہوگا اور جو دیگر مجتہدین کے استحسان کی بنیاد ثابت ہوگا۔

اسی طرح جب مجتہد، نصوص شریعت کی تطبیق دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے۔ یوں اس سے استحسان کا صدور بھی ہوتا ہے اس طرح استحسان بالاثر میں وہ امور بھی شامل ہیں جہاں مجتہد نے آثار ونصوص کو تطبیق دی ہے یا ان کے اشارہ، دلالتہ یا اقتضاء سے

استدلال کیا ہے۔

علاوہ ازیں جب نصوص کے مدلولات ظنی ہوں تو وہ یقیناً اجتہاد کے دائرہ میں آ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہاں استحسان کے عمل دخل سے انکار ممکن نہیں۔ لہٰذا استحسان بالاثر پر اطلاق محض مجاز نہیں۔

علاوہ ازیں استحسان کی تعریف میں جب حکم قیاس سے عدول وانحراف کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس سے **مراد محض اصطلاحی قیاس سے انحراف نہیں ہوتا** بلکہ عام شرعی نص اور عمومی قاعدہ وضابطہ بھی اس ضمن میں شامل ہوتے ہیں۔

لہٰذا استاد مصطفیٰ زرقا کے نقطۂ نظر کے مطابق استحسان کا اطلاق محض استحسان بالقیاس پر ہوتا ہے جو کہ استحسان کی ایک محدود تعبیر ہے۔ جبکہ استحسان بالاثر کا اطلاق یہاں دو حوالوں سے پیش نظر ہے۔

۱۔ مجتہد کی نظر میں شارع کا عام نص یا قاعدے سے معقول المعنی بنیاد پر انحراف۔

۲۔ مجتہد کا نصوص کے اشارہ، دلالۃ وغیرہ سے استدلال کرتے ہوئے قیاس سے انحراف۔

اس طرح استحسان بالاثر کی تین اقسام وجود میں آ جاتی ہیں۔

۱۔ استحسان بالکتاب، کہ مجتہد قرآن کے اشارہ، دلالۃ وغیرہ سے استدلال یا نص میں تاویل و تخصیص وغیرہ کی بنیاد پر قیاس کے حکم سے عدول کرے۔

۲۔ استحسان بالسنہ، کہ مجتہد کی نظر میں شارع، عام نص یا قاعدے کے حکم سے مصلحہ یا دفع ضرر کی بنیاد پر عدول کرے یا یہ کہ مجتہد، سنت کے اشارہ، دلالۃ وغیرہ سے استدلال یا نص میں تاویل وتخصیص وغیرہ کی بنیاد پر قیاس کے حکم سے عدول کرے۔

۳۔ استحسان بقول الصحابی، کہ صحابی عام نص یا قاعدے کے حکم سے مصلحہ یا دفع ضرر کی بنا پر عدول کرے تاہم جن حضرات نے قیاس یا عام قاعدے وغیرہ کے حکم سے قرآن کی عبارۃ النص یا حدیث کی غیر معقول المعنی عبارۃ النص کی طرف عدول کو استحسان قرار دیا ہے، وہ بہرحال مجاز ہے کہ ان دونوں صورتوں میں مجتہد کے استنباط کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس امر کی وضاحت کے بعد استحسان بالاثر بھی حقیقی معنوں میں استحسان کی ایک قسم ہے۔ مناسب ہوگا کہ ان چند فقہی مسائل کی نشاندہی کی جائے جو استحسان بالاثر پر مبنی ہیں نیز ان میں

قیاس (عام قواعد و عام نصوص سمیت) اور آثار کے تقاضوں کا موازنہ کرے کے نظریہ استحسان کو کام میں لایا جائے۔

۱۔ جس چیز پر ٹھوس نجاست موجود ہو، اسے زمین سے رگڑ کر پاک کیا جا سکتا ہے۔

اگر موزے وغیرہ کو ٹھوس نجاست لگ جائے جیسے گوبر، انسانی غلاظت وغیرہ اور یہ نجاست خشک ہو جائے تو اس کو زمین سے رگڑنے سے وہ پاک ہو جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہ امام محمد اور امام زفر کا قول ہے کہ موزہ پاک نہ ہو کیونکہ موزے میں نجاست کے جو اجزاء داخل ہو گئے ہیں وہ خشک ہونے اور زمین کے رگڑنے سے دور نہیں ہو سکتے جیسے کپڑا وغیرہ اس طریقے سے پاک نہیں ہوتا۔

استحسان کی بنیاد حدیث ہے۔

"اذا وطی الأذی بخفیه فطهور هما التراب" (۲۰)

(کہ اگر موزوں کو اذیت والی یعنی نجاست چیز لگ جائے تو وہ انہیں زمین سے رگڑ لے کیونکہ زمین ان دونوں کو پاک کرنے والی ہے)۔

مجتہد کی نظر میں شارع علیہ السلام نے اس مخفی علت کی بنیاد پر استحسان کیا ہے کہ چمڑے کی سختی کی وجہ سے بہت کم اجزائے نجاست اس میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جو اجزاء موجود ہوتے ہیں وہ زمین کے ساتھ رگڑنے سے زائل ہو جاتے ہیں چنانچہ علامہ مرغینانی کہتے ہیں:

"ان الجلد لصلابته لایتداخله اجزاء النجاسة، الا قلیل ثم یجتذ به الجرم اذا جف، فاذا ازال زال ما قام به" (۲۱)

امام ابو یوسف سے مروی ایک روایت کے مطابق اگر تر نجاست (جیسے گوبر اور غلاظت وغیرہ) کو بھی زمین سے رگڑ کر اس طرح صاف کر لیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے تو وہ چیز پاک ہو جائے گی اس لئے کہ لوگوں کا ابلاء عام ہے اور مندرجہ بالا حدیث کے الفاظ بھی عام ہیں۔ (۲۲)

۲۔ نماز میں حدث پیش آنے کی صورت میں دوبارہ وضو کر کے بناء کی جا سکتی ہے:

نماز میں اگر کسی کو حدث پیش آ جائے یعنی ناقض وضو سبب پیش آ جائے تو اسی وقت نماز

سے نکل جائے، اگر امام ہے تو کسی کو قائم مقام بنا دے اور وضو کر کے وہیں سے شروع کر دے جہاں سے نماز منقطع ہوئی۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے کہ نئے سرے سے نماز ادا کی جائے۔ اس لئے کہ حدث، نماز کے منافی ہے اور چلنا پھرنا اور منہ پھیرنا نماز کے خاتمے کا باعث ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی نماز میں جان بوجھ کر وضو توڑنے والا عمل کرے۔ (۲۳)

استحسان کی بنیاد حدیث ہے:

"من أصابه قيىء او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضاء ثم ليبن على صلاته وهو فى ذلك لا يتكلم." (۲۴)

(نماز کے دوران جس نے قئی کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی یا معدے سے منہ میں کوئی چیز آ گئی یا مذی آ گئی تو اسے چاہئے کہ وہ وہاں سے ہٹ جائے، وضو کرے اور نماز وہیں سے شروع کرے جہاں سے منقطع ہوئی۔ بشرطیکہ اس نے اس دوران گفتگو نہ کی ہو)۔

گویا یہاں مجتہد کی نظر میں شارع علیہ السلام نے رفع حرج اور تیسیر کے اصول کے تحت استحسان کیا کہ انسان بالخصوص مریض کو ان طبعی تقاضوں کے حوالہ سے زیادہ ابتلاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا ایسی صورتحال نماز میں پیش آنے کی صورت میں بناء صلوٰۃ کی اجازت ہوگی۔

۳۔ عشری زمین سے حاصل شدہ شہد میں عشر:

اگر شہد، عشری زمین سے حاصل کیا گیا تو اس پر عشر ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے کہ عشر نہ ہو کیونکہ یہ ایک جاندار (مکھی) سے پیدا ہوتا ہے اور جانداروں سے پیدا شدہ اشیاء پر عشر نہیں ہوتا جیسے ریشم پر عشر نہیں کہ وہ بھی ایک جاندار (ریشم کے کیڑے) سے حاصل ہوتا ہے استحسان کی وجہ حدیث نبوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد سے عشر وصول کیا۔ (۲۵)

دراصل مجتہد حدیث میں معقولیت معنی تلاش کر لیتا ہے تو اس پر استحسان کا اطلاق کر دیتا ہے کہ شارع نے حکم عشر دیتے ہوئے غالباً اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ مکھی پھولوں اور پھلوں سے رس چوستی ہے اور ان دونوں (پھولوں اور پھلوں) میں عشر ہے تو جو چیز ان سے بنتی ہے (شہد) اس میں عشر

آنا چاہئے جبکہ ریشم کا کیڑا پتوں سے غذا حاصل کرتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں لہٰذا اس سے بننے والی چیز (ریشم) میں بھی عشر نہیں۔(۲۶)

۴۔ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

بھولے سے کھانے پینے کے باوجود روزہ برقرار رہتا ہے۔اس سلسلے میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو جائے کیونکہ روزہ کا رکن (یعنی اپنے آپ کو مفطرات صوم سے روک کر رکھنا) یہاں قائم نہیں رہا اور جب رکن (بنیاد) ہی موجود نہ ہو تو اصل چیز کیسے باقی رہ سکتی ہے کہ کوئی چیز بھی اپنے منافی چیز کے ساتھ برقرار نہیں رہتی جیسے طہارت، حدث کی موجودگی اور اعتکاف، بلاضرورت مسجد سے باہر نکلنے کی صورت میں باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز بھول کر کھانے پینے سے ٹوٹ جاتی ہے۔(۲۷)

لیکن یہاں شارع نے رفع حرج کے اصول کے تحت استحسان سے کام لیتے ہوئے قیاس سے عدول کیا اور روزہ باقی رہنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا:

"من نسی وھو صائم، فاکل او شرب، فلیتم صومه، فانما اطعمه الله وسقاه" (۲۸)

جبکہ نماز کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کی ہیئت ظاہری ہے، جو قیام، رکوع، سجود اور قعود وغیرہ پر مبنی ہے اور یہ ہیئت انسان کو یاد دلاتی رہتی ہے کہ وہ نماز میں ہے، اس لئے وہاں بھول کر کھانا پینا غیر معمولی غفلت کا اظہار ہے، جبکہ روزہ کی ہیئت باطنی ہے اور وہ یاد دلانے والی نہیں ہے۔(۲۹)

پھر نماز کی ادائیگی کا وقت محدود ہے جبکہ روزہ پورے دن پر محیط ہے جس میں بھولنے کے مواقع زیادہ ہیں اسی طرح حصول طہارت اور عمل اعتکاف ظاہری ہیئت رکھتے ہیں اس لئے ان پر روزہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بیک وقت ایک شخص کے عقد نکاح میں رہنا درست نہیں۔

کوئی شخص اپنے عقد نکاح میں بیک وقت دو ایسی خواتین کو نہیں رکھ سکتا جن کے درمیان پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کا رشتہ ہو۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہو کیونکہ قرآن حکیم میں محرمات کے ذکر کے

بعد یہ کہہ کر تمام خواتین سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔

"و احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم" (۳۰)

استحسان کی وجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یجمع بین المرأة وعمتها، ولا بین المرأة و خالتها" (۳۱)

اور آپ نے یہ استحسان اس مصلحت کی بنیاد پر کیا کہ یہ رشتہ صلہ رحمی کے ہیں جبکہ رشتہ نکاح میں اکٹھا ہونے سے سوکن ہونے کی بناء پر ان میں قطع رحمی پیدا ہوگی چنانچہ اسی حوالہ سے احناف نے یہ اصول وضع کیا ہے۔

"لا یجمع بین امراتین لو کانت احداهما رجلا لم یجز له ان یتزوج بالاخری" (۳۲)

کہ کسی دو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا درست نہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اس کے لئے دوسری سے نکاح کرنا درست نہ ہو۔

۲۔ **مرض الموت میں طلاق دینے کی صورت میں بیوی دوران عدت وارث ہوگی:**

اگر کوئی شخص، مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو بیوی اس کی وارث ہوگی بشرطیکہ اس کی عدت مکمل نہ ہوئی ہو۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث نہ ہو کیونکہ طلاق کی وجہ سے رشتہ زوجیت منقطع ہو چکا ہے چنانچہ اگر وہ زمانہ صحت میں طلاق دیتا اور عورت کی عدت کے دوران کسی حادیثہ کا شکار ہو کر مر جاتا تو اس صورت میں عورت وارث نہ ہوتی۔ یہ مؤقف امام شافعی کا ہے۔

استحسان کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے کہ انہوں نے تماضر بنت اصبغ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وارث قرار دیا تھا جب انہوں نے مرض الموت میں طلاق دی اور دورانِ عدت انتقال کر گئے تھے۔

اور یہ فیصلہ مصلحت کی بنیاد پر تھا کہ مرض الموت میں ورثا کا حق اپنے مورث کے مال سے متعلق ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور بیوی بھی ورثا میں سے ہے جس کا حق شوہر کے مال سے وابستہ ہو گیا ہے اور اب وہ اس کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہتا ہے لہٰذا یہ عمل نافذ نہیں ہوگا اور عدت کی شرط اس بناء پر ہے کہ یہ گزشتہ

نکاح کے اثرات میں سے ہے اسی وجہ سے وہ اس دوران دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے یہی مؤقف حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا ہے۔ (۳۳)

بعض حضرات کے ہاں یہ استحسان بالاجماع کی مثال ہے لیکن امام شافعی کے اختلاف رائے کے سبب اس کو استحسان بالاجماع کی مثال قرار دینا درست نہیں۔

یہاں مرض سے مراد وہ صورت ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ غالب ہو جیسے کوئی صاحب فراش ہو اور اپنی ضروریات پوری کرنے پر صحیح طور پر قادر نہ ہو۔ یا وہ شخص جو میدان میں مبارزت (دوبدو لڑائی) کے لئے نکلتا ہے یا وہ شخص جس کو قصاص یا رجم میں قتل کے لئے لایا جاتا ہے۔ تاہم کوئی قلعہ میں محصور ہو یا جنگ کی صف ہو تو اس حالت میں اس کی طلاق، طلاق الفار (بھگوڑے کی طلاق) شمار نہیں ہوگی۔ (۳۴)

اس سلسلے میں علامہ مرغینانی کہتے ہیں:

"ان الزوجية سبب ارثها في مرض موته، والزوج قصد ابطاله، فيرد عليه قصده بتاخير عمله الى زمان انقضاء العدة دفعا للضرر عنها، وقد امكن، لان النكاح في العدة يبقى في حق بعض الآثار فجاز ان يبقى في حق ارثها عنه." (۳۵)

۷۔ جرم زنا کے ثبوت کے لئے مجرم کا چار مرتبہ اقرار ضروری ہے:

جرم زنا کیلئے چار مرتبہ اقرار ضروری ہے ورنہ جرم ثابت نہیں ہوگا اور حد نافذ نہیں کی جائیگی۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے ایک مرتبہ اقرار کافی ہو جیسا کہ دیگر تمام معاملات میں ایک مرتبہ اقرار پر ہی فیصلے صادر کئے جاتے ہیں۔

استحسان کی وجہ حدیث ماعز ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک سزا نافذ نہیں کی جب تک کہ ان کی جانب سے چار مرتبہ اقرار نہیں کیا گیا۔ (۳۶)

گویا مجتہد کی نظر میں شارع علیہ السلام نے اقرار کو شہادۃ پر قیاس کر کے استحسان کیا ہے کہ جس طرح چار گواہوں کی عینی شہادت کے بغیر جرم زنا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح چار اقراروں کے بغیر جرم زنا ثابت نہیں ہوگا کہ جب اس معاملہ میں شہادت کا نصاب عام معمول سے ہٹ کر ہے تو

اقرار کا نصاب بھی معمول سے ہٹ کر ہوگا۔ علامہ مرغینانی کہتے ہیں:

"ان الشهادة اختصت فيه بزيادة العدد، فكذا الاقرار اعظاما لامرا لزنا، وتحقيقا لمعنى الستر." (۳۷)

۸۔ تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ایک شخص نے چوری کا ارتکاب کیا تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوسری مرتبہ چوری پر اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا اب اگر یہ شخص تیسری مرتبہ چوری کا ارتکاب کرے گا تو اس کا بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے کہ اس نے قابل حد، چوری کے جرم کا ارتکاب کیا ہے جیسے گزشتہ چوریوں پر اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا تھا اور یہ امام شافعی کا مؤقف ہے۔

استحسان کی بنیاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے جس میں انہوں نے مصلحہ کو پیش نظر رکھا کہ بائیں ہاتھ کو جسم سے علیحدہ کرنے کی صورت میں وہ شخص ہاتھوں سے کام لینے کی صلاحیت سے بالکلیہ محروم ہو جائے گا اور اسے حرج وتنگی پیش آئے گی اور حد کا مقصد تنبیہ کرنا ہے کسی چیز کو تلف کرنا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے:

"انى لاستحى من الله تعالىٰ ان لا ادع لها يدا ياكل بها ويستنجى بها، ورجلا يمشى عليها." (۳۸)

اس کے علاوہ ایسی صورت کم ہی وقوع پذیر ہوتی ہے اور تنبیہ ایسے امور میں ہوتی ہے جو زیادہ وقوع پذیر ہوں۔

علامہ مرغینانی زیر بحث مسئلے میں کہتے ہیں:

"انه اهلاك معنى لما فيه من تفويت جنس المنفعة، ولانه نادر الوجود، والزجر فيما يغلب." (۳۹)

علامہ مرغینانی نے اس پر اجماع کے انعقاد کا ذکر کیا ہے۔ مگر امام شافعی کے اختلاف کے سبب اس مثال کو استحسان بالاجماع کے ضمن میں ذکر نہیں کیا گیا۔

۹۔ مالی جرمانہ کی سزا دینے کی اجازت ہے:

☆لا ينكر تغير الاحكام بتغير الازمان ☆ زمانہ کی تبدیلی کے سبب احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا☆

اسلامی حکومت یا ادارے کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ کسی قانون یا ضابطے کی خلاف ورزی پر اس کے مرتکب شخص سے کوئی متعینہ رقم بطور جرمانہ وصول کرے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رقم کی وصولی درست نہ ہو کیونکہ کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا درست نہیں ہے۔

استحسان کی وجہ حدیث نبوی اور آثار صحابہ ہیں جن میں آپ نے اور صحابہ نے جرائم پیشہ لوگوں کو جرائم سے باز رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کی وصولی کی اجازت دی ہے گویا آپ نے مصلحہ کی بنیاد پر استحسان کیا۔ آپ کا ارشاد ہے:

"من اعطاها موتجرا فله اجرها ومن منعها فانا اخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا ليس لآل محمد منها شيء." (۴۰)

(جو شخص اپنا مال اجر کی نیت سے دے گا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جو زکوٰۃ کی ادائیگی سے باز رہا تو میں وہ زکوٰۃ بھی وصول کروں گا اور اس کے مال کا کچھ حصہ بھی بطور تاوان لوگوں گا جو ہمارے پروردگار کی جانب سے ہوگا تاہم اس میں سے کچھ بھی میرے آل کے لئے حلال نہیں ہوگا)۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے زکوٰۃ نادہندہ افراد سے مالی جرمانہ بھی وصول کیا۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر تاوان دوگنا کر دیا تھا جس نے درختوں پر لگے پھلوں کی چوری کی تھی، اسی طرح اس شخص پر جس نے مویشیوں کو اپنی مخصوص جگہ (مراح) پہنچنے سے قبل چوری کر لیا تھا۔ نیز آپ نے حرم مدینہ میں شکار کرنے والے کے سامان کو اس شخص کے لئے مباح قرار دیا جو اسے حاصل کر لے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان بھوکے غلاموں کے آقا پر تاوان دوگنا کر دیا تھا جنہوں نے ایک اعرابی کی اونٹنی چوری کی تھی اسی طرح اس شخص سے دوگنا تاوان وصول کیا جس نے راستے میں پڑی گمشدہ چیز کو چھپا لیا تھا۔ (۴۱)

۱۰۔ حالت جنگ میں اہل حرب کو خوراک اور کپڑے فراہم کرنا درست ہے:

اہل حرب کو خوراک اور کپڑے فراہم کرنے کی اجازت ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے اہل حرب کو اسلحہ کی فراہمی کی اجازت نہیں ہے اسی طرح خوراک اور کپڑوں کا فراہم کرنا درست نہ ہو کیونکہ اس طرح انہیں تقویت حاصل ہوگی اور وہ

مسلمانوں کے خلاف آمادہ جنگ ہوں گے۔

استحسان کی وجہ حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثمامہ کو حکم دیا کہ وہ اہل مکہ کو خوراک فراہم کریں حالانکہ یہ لوگ آپ کے مقابلہ میں حالت جنگ میں تھے واضح رہے کہ جب کفار مکہ نے ثمامہ کو طعنہ دیا تھا کہ وہ صابی ہوگیا ہے تو ثمامہ نے حلفیہ کہا کہ وہ صابی نہیں ہوئے بلکہ اسلام قبول کرلیا ہے اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ بخدا اب تمہارے پاس یمامہ سے ایک دانہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ اپنے شہر جا کر غلہ بھیجنے سے منع کر دیا۔ یہاں تک کہ قریش نے آپ سے رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ ثمامہ کو حکم دیں کہ وہ ان کا راستہ چھوڑ دے۔ اس پر آپ نے ثمامہ کو مذکورہ بالا حکم دیا۔ (۴۲)

مجتہد کی نظر میں شارع نے مصلحت ناس کی بنیاد پر استحسان کیا کہ دنیا کا ہر انسان ضروریات زندگی کا استحقاق رکھتا ہے اور یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے کہ وہ کافر کو بھی متاع قلیل (متاع دنیا) دے گا چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل ایمان کے لئے رزق کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَاَمَّا مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○" (۴۳)

۱۱۔ بیع العینہ درست نہیں:

کسی شخص نے ایک ہزار روپے نقد یا ادھار پر ایک چیز فروخت کی اور خریدار نے اس کو اپنی تحویل میں لے لیا پھر وہ خریدار سے رقم وصول کرنے سے قبل اسے پانچ سو روپے میں خرید لیتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اس کو اصطلاح میں بیع العینہ کہا جاتا ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے کہ دوسری بار کی خرید و فروخت بھی درست ہے اس لئے کہ خریدار کی ملکیت قبضہ کی وجہ سے مکمل ہو چکی تھی اب اس کا پرانے فروخت کنندہ یا کسی اور کو فروخت کرنا درست ہے یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے وہ اس چیز کو اسی قیمت پر یا زائد قیمت پر یا سامان کے بدلہ میں فروخت کنندہ کو فروخت کر دے تو وہ درست ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک خاتون نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ایک

چیز آٹھ سو کی خرید کر انہیں چھ سو میں بیچ دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے بری خرید وفروخت کی اور زید بن ارقم تک پیغام پہنچاؤ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ادا کردہ ان کے حج اور جہاد وضائع کردے گا۔ (۴۴)

اس کی وجہ علامہ مرغینانی نے یہ بتائی

"ان الثمن لم يدخل في ضمانه، فاذا وصل اليه البيع ووقعت المقاصة، بقي له فضل خمس مائه، وذلك بلا عوض." (۴۵)

(کہ ثمن (طے کردہ قیمت) فروخت کنندہ کے ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب چیز اس کے پاس واپس پہنچی اور دونوں معاملات میں طے شدہ قیمتوں کا باہمی تقابل ہوا تو اس کے لئے بغیر کسی عوض کے پانچ سو روپے زائد ہو گئے)

گویا اس نے ایسی چیز کا نفع حاصل کیا جس کا وہ ضامن نہیں اور یہ درست نہیں جبکہ کسی اور کو بیچنے کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ وہاں نفع پہلے فروخت کنندہ کو حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اسی طرح مساوی قیمت پر فروخت کرنے کا معاملہ بھی اس سے علیحدہ ہے کہ وہاں ربو موجود نہیں ہے۔ اسی طرح زائد قیمت پر فروخت کرنے کا معاملہ اس لئے مختلف ہے کہ وہاں نفع خریدار کو اس صورت میں حاصل ہو رہا ہے کہ فروخت شدہ چیز اس کے ضمان میں آ چکی ہے اسی طرح سامان کے بدلہ میں فروخت کرنا بھی درست ہے کہ یہاں ثمن کی جنس مختلف ہوگئی اور ان میں مماثلت نہیں رہی۔

مجتہد کی نظر میں حضرت عائشہ نے اجتہاد کرتے ہوئے سد ذریعہ پر مبنی مصلحت کی بنیاد پر استحسان کیا کہ اس میں سود کا شائبہ پایا جا رہا ہے اور قرض دینے والے اپنا قرض وصول کرنے کے نام پر اپنی اشیاء مہنگی فروخت کر کے سستی خرید کر مقروضوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لئے اس کا انسداد ضروری ہے۔

۱۲۔ مشترکہ ملکیت سے استفادہ کیلئے باری مقرر کرنا درست ہے:

ایک چیز کے ایک سے زائد مالک ہونے کی صورت میں ان کا باہمی اتفاق سے اس کو باری باری استعمال کرنا "مہایاۃ" کہلاتا ہے جو کہ جائز اور درست ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ درست نہ ہو کہ یہ منفعت کا اسی جیسی منفعت سے تبادلہ کا نام

ہے، اس لئے کہ ہر شریک اپنی باری میں اپنے دوسرے شریک کی ملکیت سے اس کے بدلہ میں فائدہ اٹھاتا ہے کہ دوسرا شریک اس کی ملکیت سے اپنی باری میں فائدہ اٹھائے گا اور منفعت کا اس جیسی منفعت سے تبادلہ درست نہیں کہ وہ مال نہیں۔

استحسان کی وجہ قرآن حکیم کی یہ آیت ہے:

"قال هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم ○ "(۴۶)

کہ حضرت صالح نے ناقۃ اللہ سے متعلق فرمایا تھا کہ اس کے لئے بھی ایک باری کا دن ہے اور تمہارے (جانوروں) کے لئے بھی ایک متعین دن کی باری ہے۔

اس آیت کے اشارۃ النص سے مجتہد نے استنباط کرتے ہوئے یہ استحسان کیا کہ چونکہ ایک چیز سے فائدہ اٹھانے میں دونوں یا دو سے زائد شرکاء کا متفق ہونا مشکل ہے۔ اس لئے "مہایاۃ" میں ایک وقت میں فوائد کو اکٹھا کر دیا جاتا ہے اور ان سے باری باری شرکاء مستفید ہوتے ہیں جیسے تقسیم کے عمل سے پھیلے ہوئے حصہ کو ایک خاص حصے میں منحصر کر دیا جاتا ہے اور ہر فریق اپنے حصے سے فائدہ اٹھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قاضی جیسے کسی چیز کو شرکاء میں تقسیم کرنے کا فیصلہ بعض شرکاء کے اس پر رضامند نہ ہونے کے باوجود کر سکتا ہے اسی طرح اگر بعض شرکاء "مہایاۃ" پر رضامند نہ ہوں اور تقسیم کے خواہاں بھی نہ ہوں تو ایسی صورت میں بعض شرکاء کے مطالبہ پر قاضی "مہایاۃ" کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

۱۳۔ ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے:

ہر ایسی چیز کا احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کرنا درست نہیں، جس سے عوام الناس کو تکلیف پہنچے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی ناجائز نہ ہو کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز جب چاہے فروخت کرے اور جب تک چاہے اپنے پاس رکھے۔ کوئی دوسرا شخص اس کی رضامندی کے بغیر اس کی مملوکہ چیز کو حاصل نہیں کر سکتا۔

استحسان کی وجہ یہ حدیث نبوی ہے:

"الجالب مرزوق والمحتكر ملعون "(۴۷)

(جالب (یعنی جو اپنے شہر کیلئے اشیاء خرید کر لاتا ہے اور فروخت کرتا ہے

☆☆ گستاخ رسول کو سر کا خطاب قابل مذمت ہے☆

تا کہ لوگوں کی ضروریات پوری ہوں) کو رزق دیا جاتا ہے اور محتکر (جو لوگوں کو تکلیف دینے کے لئے اشیاء روکے رکھتا ہے) قابل لعنت ہے)۔

مجتہد کی نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استحسان اس بنیاد پر کیا کہ ضرورت کے وقت اس کی چیز کے ساتھ دوسرے لوگوں کا حق بھی متعلق ہو گیا ہے اور فروخت سے باز رہنے میں لوگوں کے حق کو کالعدم قرار دینا اور ان پر تنگی کرنا لازم آتا ہے گویا آپ کا استحسان دفع ضرر اور رفع حرج کے اصول پر مبنی ہے۔

اس سلسلے میں الہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''لانه تعلق به حق العامة وفی الامتناع عن البیع ابطال حقهم وتضییق الامر علیهم، فیکره اذا کان یضربهم.'' (۴۸)

۱۴۔ قسامہ کے ساتھ دیت بھی لازم ہوگی:

کسی شخص کی لاش، محلہ میں پائی گئی اور قاتل نامعلوم ہے تو اس محلہ کے پچاس افراد سے اس بات کی قسم لی جائے گی کہ نہ تو انہوں نے مقتول کو قتل کیا اور نہ انہیں اس کے قاتل کا علم ہے اگر یہ لوگ اس چیز کی قسم اٹھالیں تو ان پر دیت عائد کر دی جائے گی۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے جیسا کہ امام شافعی کا موقف ہے کہ ان پر دیت لازم نہ ہو کیونکہ شریعت میں قسم کھانے سے اجتناب کریں۔ ان کے ذریعہ قاتل تک رسائی حاصل ہوتا کہ قصاص لیا جا سکے لیکن جب تمام افراد قسم کھالیں تو اس سے وہ قصاص اور قید سے بچ جائیں گے لیکن انسانی جان بہر حال محترم ہے اور انسانی معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے افراد کا تحفظ کرے۔ کسی محلہ میں لاش کی موجودگی، محلہ میں قاتل کی موجودگی کی علامت نہ بھی ہو تو بھی بہر حال اس سے اہل محلہ کی کوتاہی اور غفلت عیاں ہے جس کا خمیازہ انہیں بھگتنا چاہئے اور دوسری طرف مرنے والے کے ورثا کی مالی اعانت بھی ضروری ہے یوں قسامہ اور دیت کی مشروعیت معاشرے کے باہمی تعاون اور دکھ سکھ میں شرکت کے بنیادی اسلامی اصولوں کی آئینہ دار ہے جیسا کہ قتل خطا کی دیت اسی نقطہ نظر کے تحت عاقلہ پر لازم ہوتی ہے اسی بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسامۃ اور دیت کو اکٹھا کیا۔ (۴۹)

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

یہ استحسان بالاثر ہے کہ مجتہد کی نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کی حفاظت کے لئے استحسان کیا اس سلسلے میں علامہ مرغینانی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"القسامة ما شرعت لتجب الدية اذا نكلوا، بل شرعت ليظهر القصاص بتحرزهم عن اليمين الكاذبه، فيقروا بالقتل، فاذا حلفوا حصلت البرأة عن القصاص، ثم الدية تجب بالقتل الموجود منهم ظاهرا الوجود القتيل بين اظهرهم، لا بنكولهم، او وجبت بتقصيرهم في المحافظة كما في القتل الخطاء"(۵۰)

۱۵۔ اجیر مشترک اپنے پاس موجود سامان کا ذمہ دار ہے:

درزی اور رنگریز جیسے اجیر مشترک کو اس کے پاس موجود لوگوں کے سامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا سوائے اس کے کوئی ایسی ناگہانی آفت آ جائے جس سے بچاؤ مشکل ہو، جیسے عمومی آتشزدگی، زلزلہ سے انہدام اور لوٹ مار وغیرہ۔

اس صورت میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اجیر مشترک پر اس کے پاس ضائع ہونے والی چیز کا تاوان نہ ڈالا جائے سوائے اس کے کہ وہ کوتاہی یا زیادتی کا مرتکب ہو کیونکہ یہی عقد اجارہ کا تقاضا ہے اور اس کے پاس چیزیں لوگوں کی اجازت سے اس کی تحویل میں ہیں۔ لہٰذا وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ شریعت کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ امین ودیع کے مثل ہے یعنی اگر کوئی امانت بغیر تعدی وتقصیر کے ضائع ہو جائے تو اس سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا، قیاساً ہر امانت پر یہی حکم منطبق کیا جاتا ہے جیسے شرکت کا مال کسی ایک شریک کے ہاتھ میں، اجرت مستاجر کے پاس، عاریت کی چیز، مستعیر کے ہاں اور مستاجر کا مال اجیر کے ہاں امانت ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اجیر مشترک سے بغیر تعدی وتقصیر کے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس سے تاوان نہ لیا جائے جیسے اجیر خاص یعنی ملازم خاص جس نے اپنا پورا وقت مستاجر کو سونپا ہے جیسے خادم اور ڈرائیور وغیرہ سے تاوان نہیں لیا جاتا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ کاریگروں سے تاوان لینے پر خلفاء راشدین متفق ہیں باوجودیکہ ان کی حیثیت امین ہی کی ہے لیکن یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ اگر ان کو ضامن نہ بنایا جائے تو وہ لوگوں کے سامان اور ان کی چیزوں کی حفاظت میں غفلت برتیں گے اور لوگ ان سے کام لینے کی

شدت سے احتیاج محسوس کرتے ہیں تو مصلحت اسی میں تھی کہ ان کو ان چیزوں کا ضامن قرار دیا جائے تاکہ وہ لوگوں سے لی ہوئی چیزوں کی حفاظت کریں۔ اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لا یصلح الناس الا ذاک" (لوگوں کو یہی چیز درست رکھ سکتی ہے)۔ (۵۱)

استحسان بالاثر کی مندرجہ بالا مثالوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ استحسان بالاثر کا دائرہ اجتہاد سے ماورا نہیں ہے، اور فقہاء احناف نے اس کو بجا طور پر اجتہادی مآخذ میں شمار کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب مجد الدین (۸۱۷ھ)، القاموس المحیط، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ، (۱۳۷۱ھ)، مادہ "حسن"۔

۲۔ السرخسی، محمد بن احمد بن ابی السہل، شمس الائمۃ (۵۰۰ھ) تمہید الفصول فی الاصول (تحقیق ابو الوفاء الافغانی) مطابع دار الکتاب العربی، قاہرہ (۱۳۷۳ھ)، ج ۲، ص ۲۲۰۔

۳۔ القرآن، سورۃ الزمر، آیات ۱۷، ۱۸۔

۴۔ الآمدی، علی بن علی، ابوالحسن، سیف الدین (۶۳۱ھ) الاحکام فی اصول الاحکام، مطبعۃ المعارف، مصر (۱۳۳۲ھ)، ج ۴، ص ۱۳۶۔

۵۔ القرآن، سورۃ الزمر، آیت ۵۵۔

۶۔ العسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن حجر (۸۵۲ھ) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ عن احمد، مطبوع علی ہامش الہدایہ، ج ۳، ص ۳۰۳۔

۷۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج ۴، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

۸۔ السبکی، علی بن عبدالکافی (۷۵۶ھ) وابنہ عبدالوہاب بن علی تاج الدین (۷۷۱ھ) الابہاج فی شرح المنہاج، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۴۰۴ھ)، ج ۳، ص ۹۱۔

۹۔ الجصاص، احمد بن علی، الرازی، ابوبکر (۳۷۰ھ)، اصول الفقہ، ج ۲، باب القول فی الاستحسان، مخطوطہ دار الکتب المصریہ (نسخہ مصورۃ، خالد ایم اسحاق مرحوم لائبریری، کراچی)۔

10- Kamali, Muhammad Hashim, Principles of Islamic Jurisprudence Pelankuk Publications (M) Sdn Bhd

Petaling, Jaya Selangor, Darul Ihsan Malysia, P. 327.

۱۱۔ حسن الخفاوی، الاستحسان تعریفہ وحجیتہ، بحوث المؤتمر للفقہ المالکی (۱۹۸۶ء) رأسۃ القضاء الشرعی، ابوظہبی، ص ۶۵۳۔

۱۲۔ السرخسی، تمہید الفصول فی الاصول، ج ۲، ص ۲۰۰۔

۱۳۔ الزحیلی، وھبہ، ڈاکٹر (المعاصر) اصول الفقہ الاسلامی، دارالفکر، دمشق (۱۴۰۶ھ)، ج ۲، ص ۷۸۰، ۷۸۱۔

۱۴۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، القزوینی (۲۷۵ھ)، السنن، ابواب الاحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، حدیث نمبر ۲۳۴۰۔

۱۵۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین (۹۱۱ھ)، الاشباہ والنظائر فی الفروع، مطبعہ مصطفیٰ محمد، مصر (ت۔ن)، ص ۱۱۶۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ الجصاص، اصول الفقہ، ج ۲، باب القول فی الاستحسان۔

۱۸۔ البخاری، عبدالعزیز، علاء الدین (۷۳۰ھ) کشف الاسرار علی اصول البزدوی، شرکۃ صحافیہ عثمانیہ، استنبول (۱۳۰۸ھ)، ج ۴، ص ۵۔

۱۹۔ مصطفیٰ احمد الزرقا، المدخل الفقہی العام، مطبعہ طربین، دمشق (۱۳۸۷ھ)، ص ۹۳۔

۲۰۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی (۲۷۵ھ)، السنن، کتاب الطہارۃ، باب الذی، یصیب النعل، حدیث نمبر ۳۸۶۔

۲۱۔ المرغینانی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن، برہان الدین (۵۹۳ھ)، الہدایہ، مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان، (ت۔ن) باب الانجاس و تطہیرھا، ج ۱، ص ۷۲۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ المرغینانی، الہدایہ، باب الحدث فی الصلاۃ، ص ۱۲۸۔

۲۴۔ ابن ماجہ، السنن، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا، باب ما جاء فی البناء علی الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۲۲۰۔

۲۵۔ ایضاً۔ أبواب الزکوٰۃ، باب زکاۃ العسل، حدیث نمبر ۱۸۲۴۔

۲۶۔ المرغینانی، الہدایہ، باب زکاۃ الزروع والثمار، ج ، ص۲۰۲۔

۲۷۔ البخاری، کشف الاسرار، ج ۴، ص ۵۔

۲۸۔ مسلم بن الحجاج القشیری، (۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب أکل الناسی و شربه و جماعه یا یفطر، حدیث نمبر ۲۷۱۶۔

۲۹۔ المرغینانی، الہدایہ، باب مایوجب القضاء والکفارہ، ج ۱، ص ۲۱۷۔

۳۰۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۲۴۔

۳۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها أو خالتها فی النکاح، حدیث نمبر ۳۴۳۶۔

۳۲۔ المرغینانی، الہدایہ، کتبا النکاح، ج ۲، ص ۳۰۹۔

۳۳۔ مصطفیٰ دیب البغا، اثر الادلة المختلف فیها (مصادر التشریع التبعیه) فی الفقه الاسلامی، دارالامام البخاری دمشق (۱۳۸۸ھ)، ص ۱۵۰۔

۳۴۔ المرغینانی، الہدایہ، باب طلاق المریض، ج ۲، ص ۳۹۲۔

۳۵۔ ایضاً۔ ص ۳۹۰۔

۳۶۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب المحاربین من أهل الکفر والردة، باب الرجم بالمصلی، حدیث نمبر ۶۸۲۰۔

۳۷۔ المرغینانی، الہدایہ، کتاب الحدود، ج ۲، ص ۵۰۸۔

۳۸۔ العسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ج ۲، ص ۵۴۸۔

۳۹۔ المرغینانی، الہدایہ، کتاب السرقہ، ج ۲، ص ۵۴۷۔

۴۰۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الزکوٰۃ باب فی زکاۃ السائمۃ، حدیث نمبر ۱۵۷۵۔

۴۱۔ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ (۷۵۱ھ)، اعلام الموقعین عن رب العالمین (تحقیق: عبدالرحمٰن الوکیل) شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدہ، القاہرہ (۱۳۸۸ھ)، ج ۲، ص ۷۶۔

۴۲۔ العسقلانی، الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ، ج ۲، ص ۵۶۴۔

۴۳۔ القرآن، البقرہ، آیت ۱۲۶۔

۴۴۔ العسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ عن احمد، ج ۳، ص ۵۷۔

۴۵۔ المرغینانی، الہدایہ، باب البیع الفاسد، ج ۳، ص ۵۷، ۵۸۔

۴۶۔ القرآن، سورۃ الشعراء، آیت ۱۵۵۔

۴۷۔ ابن ماجہ، السنن، ابواب التجارات، باب الحکرۃ والجلب، حدیث نمبر ۲۱۵۳۔

۴۸۔ المرغینانی، الہدایۃ، کتاب الکراہیہ، ج ۴، ص ۴۷۰۔

۴۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدیات، باب القسامۃ، حدیث نمبر ۹۹۔۶۸۹۸۔

۵۰۔ المرغینانی، الہدایہ، باب القسامہ، ج ۴، ص ۲۳۶۔

۵۱۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ ابو اسحاق (۷۹۰ھ)، الاعتصام، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر، (ت۔ن)، ج ۲، ص ۱۴۱۔

دوسری جلد شائع ہوگئی

☆

جدالممتار علی رد المحتار

☆

تحقیق وتخریج : مجلس المدینۃ العلمیۃ

بہترین کاغذ' عمدہ طباعت' خوبصورت جلد'

شائقین اپنا نسخہ مکتبۃ المدینۃ کراچی

یا کسی قریبی کتب خانہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔